عمدۃ البیان فی ترجمۃ القرآن کے فنی محاسن

ایک تحقیقی مطالعہ

Analytical Study Of Characteristics Of Umdat al-Bay¥n Fi Tarjamah al-Qur'¥n

Muhammad Nasir Mahmood
PhD Scholar, Department of Islamic Study, Imperial College of Business Studies, Lahore;qarimnasir@gmail.com
Dr. Muhammad Kareem Khan
Assistant Professor, Department of Islamic Study, Imperial College of Business Studies, Lahore
karimkhan52@yahoo.com

Abstract

The Qur'¥n is the basic source of Islamic knowledge. It has been revealed on the Prophet Muhammad (a) for a period of twenty three years. In his life the Prophet (a) himself informed the meaning of the words and verses of the Qur'¥n. After his life the companions of the Prophet continued their efforts to understand the Qur¥n. It is to state that the Qur'¥n has been the guiding the destiny of mankind. The Qur'¥n teaches us how to lead a good life. Thus Qur'an takes us to the right path. Hundreds of thousands people continued to write the exegesis and interpretation of the Qur'¥n till our day. The current thesis reviews briefly the literature on the translations of the Qur'¥n made by Mufti Dr. Sarwar Q¥dri and his counterparts. Thus, this study tried to provide insight into the understanding of the Qur'an. The study focuses on the four translations. They are: Umdatul Bayan, Zubdatul Bayan, Balaghul Qur'¥n and Maani al Qur'¥n. The study deals with the figurative, stylistic, linguistic and theoretical. The study styles of the Qur'an throw light on "Ilm al-M¢¥nÏ'' "Ilm al-Bay¥n" and" Ilm al-BadÏ¢". Further of the qur'anic translation are compared in their grammatical sense. Which of the translations is best? After analysing many translation of the Holy Qur¥n we have come to know that the translation of Umda al-Bay¥n is the best.

Keywords:Egsegesis, Counterpart, Ilm al-Bay¥n, Grammar, Translation.

عمدۃ البیان قرآنِ مجید، فرقانِ حمید کا ایک آسان، سلیس اور عربی گرائمر کو مدِّ نظر رکھ کر لکھا جانے والا ترجمہ قرآن ہے۔ جس کے مصنف حضرت شیخ القرآن والحدیث ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادریؒ (سابق صوبائی وزیر مذہبی اُمور پنجاب) ہیں۔ آپ کا یہ ترجمہِ قرآن بے شمار محاسن، ممیزات اور خوبیوں سے بھرپُور ہے۔ جس کی وجہ سے آپ کا یہ ترجمہِ قرآن باقی سب معاصرین کے ترجموں سے ممتاز اور اعلیٰ نظر آتا ہے۔ مصنفؒ کے ترجمہِ قرآن کے محاسن و ممیزات کو بیان کرنے سے پہلے آپ کے حالاتِ زندگی پر کچھ نظر ڈالتے ہوئے قارئین کو آپ کے حالات سے آگاہ کرنا بھی ضروری ہے۔

مترجم کے احوال و آثار:

مترجم شیخ القرآن ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادریؒ ایسی شخصیت ہیں جو کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ لیکن حضرت مفتی صاحب کی زندگی سے متعلق کچھ اہم معلومات پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ اکثر و بیشتر عام انسان کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اس بین الاقوامی شہرت یافتہ شخصیت کی بنیادی تعلیم کون سی خوش نصیب درسگاہ میں ہوئی کہ جس نے ایسا عظیم انسان تیار کیا۔ تو وہ آپ کی والدہ ماجدہ تھیں کہ جن کی بدولت اللہ نے آپ کو یہ مقام عطا فرمایا۔ آپ سابق صوبائی وزیر برائے مذہبی امور واوقاف (پنجاب) اور بانی و مہتمم جامعہ رضویہ (ٹرسٹ) سنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف اور قرآن مجید کے مترجم بھی تھے۔

آپ کی ولادت موضع کچی لعل نزد اُوچ شریف تحصیل علی پور ضلع مظفر گڑھ میں بروز جمعرات مؤرخہ 21 اکتوبر 1939ء کو محترم خدا بخشؒ کے گھر میں ہوئی۔ آپ کے دادا امجد موسیٰؒ اور پردادا محمد جوہرؒ اللہ کے ولی تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی عظیمہ خاتونؒ تھا۔ آپ کے پردادا محمد جوہر مرحوم ایک نیک دل اور صالح انسان تھے۔ ان کا تقویٰ پورے علاقہ و خاندان میں مشہور تھا۔

آپ نے ناظرہ قرآنِ مجید اپنے علاقہ کے بزرگ عالم دین مولانا غلام نبی خورشیدؒ سے عرصہ چار ماہ میں مکمل کیا۔ اس کے بعد آپ نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول موضع بن والا میں حاصل کی اور مڈل حصہ کی تعلیم کے لئے موضع ککس کے گورنمنٹ سکول میں داخلہ لیا وہاں سے مڈل کا امتحان اعلیٰ درجہ میں پاس کیا بعد ازاں مزید دینی تعلیم کے لئے مخدوم حسن بن غلام میراں شاہ کے گاؤں جمال الدین والی علاقہ صادق آباد ضلع رحیم یار خان میں استاذ العلماء والفضلاء حضرت علامہ حکیم غلام رسولؒ سے اکتساب فیض کیا اور اُن سے آپ نے درس نظامی کی مشہورِ زمانہ

کتب شرح تہذیب، قطبی کے اوائل، شرح وقایہ اولین، اصول الشاشی، نورالانوار اور علم طب کی میزان طب، طب اکبر وموجز وغیرہ پڑھیں۔

1958-60ء میں ڈیرہ غازی خان میں استاذ العلماء علامہ مولانا غلام جہانیاں صاحبؒ سے نورالانوار، شرح جامی، ملاّ عبدالغفور (حاشیہ شرح جامی) قطبی، میر قطبی، مُلاّں جلال، حمد اللہ، شرح وقایہ آخرین، میبذی، التصریح، اقلیدس، مشکوٰۃ شریف، جلالین، ہدایہ اولین، حسامی، مقامات حریری، حماسہ، متنبی، تصوف، لوائح جامی، لوامع جامی اور مثنوی شریف پڑھیں۔ 1961ء میں ملتان میں غزالی زماں، رازی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحبؒ کے مدرسہ انوارالعلوم میں داخلہ لیا۔ استاذ العلماء جناب مولانا عبدالکریمؒ سے تفسیرات احمدیہ پڑھی اور حضرت مفتی امید علی خاں صاحب سے توضیح وتلویح، مسلم الثبوت وہدایہ اخیرین پڑھیں۔

پھر مفتی اعظم حضرت مفتی سید مسعود علی قادریؒ سے جلالین وعلم میراث پڑھا اور فنِ فتویٰ نویسی سیکھا۔ آخر میں حضرت علامہ کاظمی شاہ صاحب سے مناظرہ رشیدیہ، شرح عقائد، خیالی اور دورہ حدیث شریف پڑھ کر سند فراغت علم حاصل کی۔ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری نے بہاولپور یونیورسٹی سے 1965ء 1966ء میں ایم اے اسلامک لاء یعنی تخصص فی الفقہ والقانون الاسلامی کی سند حاصل کی 1998ء میں آپ نے علم نحو کی مشہور کتاب الکافیہ کی عربی شرح الوافیہ پر چار جلدوں پر مشتمل بڑا زبردست وقابل رشک تحقیقی کام کیا جس کا نام ''التحقیق و التخریج علی الوافیۃ في شرح الکافیۃ'' رکھا گیا۔ کافیہ ایک ایسی کتاب ہے جو کہ پورے عالم اسلام کے دینی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کی عربی میں مشہور شرح ''الوافیہ'' ایک ایسی عمدہ کتاب ہے کہ اُس پر تحقیق کی شدید ضرورت تھی مفتی صاحب نے عربی زبان میں اس کی تحقیق وشرح فرما کر پنجاب یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی (دکتورہ) کی ڈگری حاصل کی۔ نیز طبیہ کالج لاہور میں چار سالہ طب کا کورس کر کے گورنمنٹ سے طبیب (حکیم) کی ڈگری بھی حاصل کی[1]۔

ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادریؒ اپنے مادرِ علمی انوار العلوم سے فارغ ہو کر اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے ایم اے اِن لاء کر کے جامعہ نظامیہ لوہاری گیٹ میں عربی معلم شیخ الادب کے مقدس عہدہ پر فائز ہو گئے۔ پھر آپ جامع مسجد غوثیہ گلبرگ چلے گئے جہاں پر آپ نے 12 سال کا عرصہ گزارا اور بطور خطیب کے فرائض سرانجام دیئے اور

---

1. قادری، غلام سرور، مفتی، معاشیاتِ نظام مصطفٰے، عمدۃ البیان، پبلشرز 2007، لاہور۔ ص10۔
Q¥drÏ, Ghul¥b Sarwar, MuftÏ, M¢¥shiy¥t Niz¥m Mustaf¥, ¢Umdat ul Bay¥n Publisher, Lahore, 2007. P:10

جامعہ غوثیہ کے نام پر ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جو آج بھی موجود ہے اور ہزاروں کی تعداد میں علماء و طلباء آپ کے لگائے ہوئے درخت کے سائے سے مستفید ہو رہے ہیں۔ بعد ازاں جناب پروفیسر ظہیر الدین احمد بابر نقشبندی قادری نے ماڈل ٹاؤن سوسائٹی سے چار کنال کا رقبہ حاصل کر کے ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری صاحب کے سپرد کیا اور اُن کے پُرخلوص تعاون کے ساتھ آپ نے ماڈل ٹاؤن سنٹرل کمرشل مارکیٹ میں اپنی ذاتی دینی درسگاہ کا آغاز فرمایا جو کہ تقریباً عرصہ 28 سال سے اللہ کے فضل و کرم سے انتہائی کامیابی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

محاسن سے مراد؟

حضرت ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادریؒ کے ترجمہِ قرآن کے بہت سارے محاسن یعنی عمدہ اُسلوب ہے۔ عمدہ اُسلوب کیا ہوتے ہیں اور ہمیں کس طرح قرآنِ مجید فرقانِ حمید کا ترجمہ کرنا چاہیئے؟ تو ذیل میں اچھے ترجمہِ قرآن کے بارے میں معروضات پیش کی جاری ہیں۔

ضرورت کے مطابق کسی بھی عجمی زبان میں قرآنِ مجید کا ترجمہ کرنا ہو تو وقت کی نزاکت کو پیشِ نظر رکھنا سب سے اہم سوال ہے۔ اور اِس کا مقصد عوام الناس کی اصلاح کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ قرآن کے معانی اولیہ سے ہی ممکن ہوتا ہے معانی اولیہ سے مراد شرعی و مذہبی احکام وغیرہ ہیں۔ یعنی قرآن اُنہیں جس عقیدہ و عمل کی ترغیب دیتا ہے اُسے وہ اپنائیں اور جس سے منع کرتا ہے وہ اُس سے بچیں۔ اور ترجمہِ قرآن کا ایک اہم مقصد اُسکے معانیِ اولیہ کی تبلیغ کرنا اور اُن سے دوسری زبان والوں کو آگاہ کرنا۔ جس کے حصول کے لئے تین نکات کا اکٹھے پایا جانا ضروری ہے۔

نکتہ 1: ترجمہ کا یہ عمل ترجمۃ القرآن کی تعریف کے مطابق ہو ورنہ تعریف سے خلاف ہونے والے ترجمہ کو ترجمۃ القرآن کہنا ہی درست نہیں ہے چہ جائیکہ اُس کے فوائد اچھے ہوں۔

ترجمۃ القرآن کی تعریف:

ترجمہ القرآن کی تعریف یہ ہے کہ قرآنِ مجید کے الفاظ کو دوسری زبان کے ایسے الفاظ میں بدلنا جو کہ اُن کے قائم مقام ہو سکیں اور قائم مقام ہونے سے مطلب یہ ہے کہ اُن کی جملہ حیثیات قرآنِ مجید کے مطابق ہوں مثلاً: اُس کا جو مفہوم ہے اُس کا بھی وہ ہی مفہوم ہو۔ اور اُس کی جو لسانی حیثیت ہے اِس کی بھی وہی حیثیت ہو۔ یعنی وہ مبتداء ہے تو یہ بھی مبتداء ہو وغیرہ[2]۔

---

2. چشتی، پیر محمد، اُصولِ ترجمہ، مکتبہ آوازِ حق، پشاور۔ ص 169

نکتہ 2: ترجمہ دونوں زبانوں کے محاورہ کے مطابق ہو ورنہ تین مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(i) یعنی جس زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے اُس کے محاورے کے موافق ہو، ورنہ لسانِ قرآنی کے محاورے کے خلاف ہو گا۔

(ii) اِس کے برعکس یعنی لسانِ قرآنی کے مطابق ہو لیکن ترجمہ والی زبان کے محاورہ کے خلاف ہو۔

(iii) دونوں کے محاورہ سے خلاف ہو گا، ظاہر ہے کہ اِن میں سے ہر ایک بے محاورہ کہلاتا ہے جبکہ بے محاورہ ترجمہ مُفیدِ مقصد نہیں ہوتا۔

نکتہ 3: ترجمہ کا عمل اُس کی صحت کے لئے تمام فطری شرائط کے مطابق ہو ورنہ کسی ایک شرط سے خلاف ہونے والا ترجمہ بھی درست نہیں ہو سکتا۔

بامحاورہ ترجمہ کی تعریف:

بامحاورہ ترجمہ اور بے محارہ ترجمہ آپس میں ضدین ہیں کہ ایک کا وجود دوسرے کی عدم کی دلیل اور اور ایک کا عدم دوسرے کے وجود کی دلیل ہے۔ ترجمہ کے لئے ضروری ہے کہ ترجمہ کی زبان کو قرآن مجید کے محاورہ کے مطابق کیا جائے اور دونوں زبانوں کی لسانی حیثیت ان کی فنی حیثیت، اور تمام لوازمات کو مدنظر رکھا جائے۔

پہلی صورت:

ترجمہ والی زبان کے مطابق اور متن والی زبان کے محاورے کے خلاف ہو۔ جیسا "**بسم اللہ الرحمن الرحیم**" کا ترجمہ "شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان رحم کرنے والا ہے"۔

ترجمہ: "شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان رحم کرنے والا ہے"۔ ترجمہ: "اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان رحم کرنے والا ہے"۔

یہ سب ترجمہ والی زبانیں اردو محاورہ کے مطابق ہیں کیونکہ اُردو کے محاورہ میں صفت و موصوف کے مجموعہِ مرکب کی تعبیر مرکب تام کے انداز میں کرنے کو معیوب نہیں سمجھا جاتا جبکہ متن کے محاورہ سے خلاف ہے۔ کیونکہ یہاں پر یعنی "اللہ" موصوف ہے اور "الرحمٰن، الرحیم بالترتیب اس کی صفات ہیں۔ جب کہ موصوف و صفت کا

Chishtī, Pīr Muhammad Chishtī , Maktabah Aw¥z Haq, Pish¥war, Pakist¥n. p:169

مجموعہِ مرکب جو ترکیبِ توصیفی کہلاتا ہے مرکب تام وجملہ نہیں کہلاتا۔ جس وجہ سے ان میں لفظ "ہے" کہنا لسانِ قرآنی کے خلاف اور عربی محاورہ کے منافی اور غلط ہے۔ کیونکہ یہ مرکبِ غیرِ تام کو جملہ کہنے سے مختلف نہیں ہے جِسے سننے کے لیے نحاۃ(نحوی حضرات) تیار ہیں نہ بلغاء۔ اور لسانِ قرآنی میں اس کی کوئی مثال موجود ہے اور نہ محاورہ عرب میں۔

توپھر اِسے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا بامحاورہ ترجمہ کہنے کا کوئی جواز ہی نہیں رہتا کیونکہ بامحاورہ ترجمہ کہلانے کے قابل وہی ہوتا ہے جس میں ترجمہ والی زبان کے محاورے کو متن کے محاورہ اور اُسکی حیثیت کے مطابق بنا کر اصل مقصد کی فہمائش کی جائے۔ جس کے مطابق بسم اللہ کا بامحاورہ ترجمہ "اللہ کے نام سے شروع جو مہربان، رحم کرنے والا، اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحم کرنے والا مہربان" جیسے کسی بھی انداز میں ہو سکتا ہے جو دونوں زبانوں کے ماحول کے مطابق ہونے کے ساتھ شرائط کے بھی مطابق ہے۔

عمدۃ البیان کے محاسن

مصنفؒ کے حالات وواقعات اور ترجمہِ قرآن کے محاسن ذکر کرنے کے بعد اب آپ کے ترجمہِ قرآن کے چندایک محاسن وممیزات درج ذیل ہیں۔

(1) بعض مترجمین نے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا ترجمہ "اللہ کے نام سے شروع" کرنے کی بجائے یوں کیا "شروع اللہ کے نام سے" اس طرح ترجمہ اللہ کے نام سے شروع نہ ہوا، بلکہ لفظ "شروع" سے ہی شروع ہوا جو عربی گرامر اور مقصد کے خلاف ہے۔ کیونکہ مقصد یہ ہے کہ ابتداء اللہ ہی کے نام سے ہو۔ چند تراجم میں اس نکتہ کا خیال رکھا گیا ہے حالانکہ دیگر مترجمین کے ترجمہ میں ایسا نہیں کیا گیا جبکہ اس نکتہ کا خیال نہ رکھنا عربی گرامر کی خلاف ورزی ہے اور آدابِ خداوندی کے بھی خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالی کی ذات اقدس کے ادب کا یہی تقاضا ہے کہ ابتداء اسی کے نامِ اقدس سے ہی ہو۔ اور بعض نے یوں ترجمہ کیا "اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے" اس ترجمہ میں دوغلطیاں ہیں۔

(i) ایک یہ کہ لفظ "شروع" درمیان میں لایا گیا ہے جبکہ اسے آخر میں لانا چاہیے کیونکہ لفظ شروع کے درمیان میں لانے سے اسم مبارک "اللہ" موصوف اور صفت "الرحمن الرحیم" کے درمیان فاصلہ آجاتا ہے جو درست نہیں ہے۔ اس لیے مفسرین نے لفظ "شروع" کو "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے آخر میں مقدر قرار دیا ہے۔

چنانچہ تفسیر مدارک شریف میں امام نسفی فرماتے ہیں:

"وإنما قدر المحذوف متأخراً لأن الأهم من الفعل والمتعلق به هو المتعلق به وكانوا يبدءون بأسماء آلهتم فيقولون باسم اللات وباسم العزى فوجب أن يقصد الموحد معنى اختصاص اسم الله عز وجل بالابتداء وذا بتقديمه وتأخير الفعل"[3]

یعنی شروع کرتا ہوں وغیرہ ایسا لفظ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے آخر میں محذوف تصور ہوگا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی ابتداء اور شروع اللہ کے نام سے ہو یعنی "بسم اللہ الرحمن الرحیم" میں "ابتدء" یا "اشرع" کو آخر میں مقدر مانا جائے گا اس لئے تو مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ خاص اللہ کے نام سے ابتدا کرے یہ ضروری ہے کہ یہ ابتداء اللہ کے نام سے تب ہو گی جب اللہ کا نام شروع میں آئے اور لفظ "ابتدء" یا لفظ "اشرع" آخر میں محذوف قرار دیا جائے۔

اِس قاعدہ ضابطہ کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادریؒ نے اپنے ترجمہِ قرآن میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کا ترجمہ یوں کیا ہے **"اللہ بے حد مہربان بہت رحم کرنے والے کے نام ہی سے میرا شروع کرنا ہے"**۔ یعنی آپؒ نے لفظ "شروع" کو عربی گرامر کے قاعدہ کی رو سے آخر میں لائے ہیں۔

(ii) دوسری غلطی یہ ہے کہ "الرحمن" کا معنی "نہایت مہربان" کیا گیا ہے اور "رحیم" کا ترجمہ "بڑا رحم والا" یا "رحم والا" کیا گیا ہے جو عربی گرامر کی رو سے درست نہیں ہے کیونکہ "رحمان" اور "رحیم" دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں۔ لیکن رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے اس لیے رحمٰن اللہ کے سوا کسی اور کے لئے استعمال نہیں ہو سکتا۔ یعنی الرحمن صرف اللہ کو ہی کہیں گے یہ کسی اور کا نام نہیں ہو سکتا جیسا کہ صاحبِ مدارک نے اپنی تفسیر میں جلد 1، ص 12 پر واضح فرمایا ہے۔ اِس لئے مفتی ڈاکٹر غلام سرور قادریؒ نے اپنے ترجمہِ قرآن میں اِس عربی گرامر کے قاعدہ کو ملحوظِ نظر رکھتے ہوئے ترجمہ کیا ہے "بے حد مہربان بہت رحم کرنے والے"۔ اِس لئے اہلِ علم جانتے ہیں کہ "نہایت" ایک عربی لفظ ہے اگرچہ یہ اُردو میں بھی استعمال ہوتا ہے جس کے معنی "حد" کے ہیں۔

3. نسفی، عبد اللہ بن أحمد بن محمود نسفی، مدارک التنزیل وحقائق التأویل، پبلشر: دار الکلم الطیب، بیروت، الطبعۃ الأولی: 1998ء-27/1

Nasafī, ¢Abd Allah b. Ahmad b. Mas¢ood, Madarik al-Tanzīl wa Haqaiq al, ta'wīl, Beruit: D¥r al-al-kalim al-tayyib, 1998. 1/27

(2) سورۃ الفاتحہ کی آیات" اَلْحَمْدُ للّٰہ رَبّ الْعَالَمِینَ، اَلرَّحْمٰن الرَّحِیم، مَالك یَوْم الدِّین "[4] میں اللہ تعالیٰ کی چار صفات بیان ہوئی ہیں بعض مترجمین نے اِن تینوں آیات کا ترجمہ الگ آیات میں کیا ہے۔ جبکہ عمدۃ البیان میں اِن تینوں آیات کے ترجمے کو ایک ہی جملہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

عمدۃ البیان:

"تمام تعریفیں اللہ سارے جہانوں کے پالنے والے، بے حد مہربان رحم کرنے والے، بدلے کے دن کے مالک کے لئے ہیں"۔

دیگر تراجم:

(i) ایک نے یوں ترجمہ کیا" ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو کائنات کا رب ہے، بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے، روزِ جزاء کا مالک ہے"۔

(ii) ایک نے یوں ترجمہ کیا" تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پالنے والا ہے سارے جہانوں کا، بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، مالک ہے روزِ جزاء کا"۔

(iii) ایک نے یوں ترجمہ کیا" ثناء کامل اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے، جو رحمٰن رحیم ہے، روزِ جزاء کا مالک ہے"۔

(3) بعض حضرات نے "غیرالمغضوب علیہم"[5] کا ترجمہ یوں کیا ہے "جو معتوب نہیں ہوئے" یعنی ہمیں راستہ اُن کا نہ دکھانا جن پر تیری طرف سے عتاب ہوا۔ یہ ترجمہ اللہ کی منشا کے خلاف اور غلط ہے۔ کیونکہ غضب اور چیز ہے اور عتاب اور چیز ہے۔ عتاب تو پیغمبروں پر بھی ہوا چنانچہ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ "إن موسى قام خطيبا في بني إسرائيل، فسئل: أي الناس أعلم، فقال: أنا، فعتب الله عليه "[6] کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ

---

4. البقرۃ،۲:1-3

Al-baqarah,2/1-3

5. الفاتحہ،1/7

Al-Fateha, 1/7

6. بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، (حدیث نمبر:4725)، (88/6)

علیہ السلام بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو کسی نے سوال کیا" سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا:"میں"، تو اِس بات پر اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام پر عتاب فرمایا۔

نیز سورہِ عبس وتولی کی تفسیر میں ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے ایک عبداللہ ابن مکتوم صحابی کی وجہ سے عتاب فرمایا ہے۔[7] لہذا اگر "المغضوب علیھم" کا یہ معنی کیا جائے کہ جو معتوب ہوئے تو حضرت موسی علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی (نعوذ باللہ) المغضوب علیھم قرار پائیں گے۔ جبکہ لغت کی رو سے غضب وعتاب میں زمین وآسمان کا فرق ہے؛ کیونکہ غضب کا معنی ایسی ناراضگی ہے جس کا انجام عذاب و انتقام ہے۔ لیکن عتاب کا معنی"مخاطبة الادلال" ہے[8] (یعنی محبوب کی لاپروائی یا بے توجہی یا بھول چوک پر محبت بھرے انداز میں عارضی اور وقتی ناخوشی کا اظہار کرنا جس کا مقصد محبوب یا دوست کو آئندہ ایسا نہ کرنے کا اشارہ دینا ہوتا ہے۔ لہذا دونوں کے معنوں میں زبردست فرق واضح ہوا کہ غضب دشمنوں اور عتاب دوستوں کے لئے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ کسی لفظ کا ترجمہ یا تفسیر کرتے ہوئے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ دونوں میں منطقی لحاظ سے تساوی وترادف کی نسبت ہو۔ نسبت تضاد یا عام خاص مطلق یا من وجہ کی نسبت نہ ہو الا یہ کہ متکلم کی مراد خاص سے عام یا عام سے خاص ہو اور اس مراد (خاص، یا عام) پر کوئی دلیل بھی قائم ہو۔

(4) اسی طرح"وبالآخرة هم يوقنون" کا ترجمہ کرتے ہوئے ایک صاحب لکھتے ہیں "اور آخرت کو وہ یقین جانتے ہیں" اور ایک صاحب نے اس کا ترجمہ کیا" اور وہ آخرت پر بھی کامل یقین رکھتے ہیں"، ایک اور صاحب اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "اور آخرت کو وہ یقینی جانتے ہیں"، اور ایک صاحب نے اِس کا ترجمہ یوں فرمایا"اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں"، ایک اور صاحب نے اس کا ترجمہ یوں کیا"اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں"، بعض نے یوں ترجمہ فرمایا

Bukhārī, Abū ᶜAbd Allāh Muhammad b. Ismāᶜīl b. Ibrāhīm b. Mughīra al-. *Al-J¥mi¢ al-|a^Ï^*. Beruit: D¥r Ibn KathÏr, 1422 AH. 6/88, # 4725

7. طبری، محمد بن جریر بن یزید، ابو جعفر الطبری، جامع البیان فی تاویل القرآن، محقق: أحمد محمد شاکر، الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى:1420ھ۔218/24

Ṭabarī, Abū Jaᶜfar Muhammad b. Jarīr al-. *J¥mi¢ al-bay¥n fÏ tafsÏr al-Qurʾān*. Beirut: Beruit: Muʾassasa al-Ris¥la, 1420 AH. 24/218

8 الزَّبيدي، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، تاج العروس من جواهر القاموس، المحقق: مجموعة من المحققين، الناشر: دار الهداية۔365/1

Al-ZubaydÏ, Muhammad b. Muhammad b. ¢Abd ak-razz¥q al-HusaynÏ, T¥b al-ᶜUrᶜūs Min Jawahir al-Qamūs, Dār al-hidayah. 1/365

ہے "اور آخرت کا یقین رکھتے" یا "وہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں"۔ یہ سب تراجم عربی گرامر کی رو سے درست نہیں ہیں جبکہ عربی گرامر کی رو سے صحیح ترجمہ یوں ہے "اور آخرت پر وہی یقین رکھتے ہیں" کیونکہ اس میں ضمیر "ھم" کے "یوقنون" سے پہلے لانے سے حصر کا فائدہ ہو رہا ہے جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں ہے "بلاشبہ کلامِ الٰہی حکمت کے تحت لایا گیا ہے لہذا یہاں ضمیر "ھم" کو بھی اسی حکمت کے تحت لایا گیا ہے کہ اس سے حصر مقصود ہو۔ اس کی رُو سے معنی یوں گا "اور آخرت پر وہی (متقین مذکورین) یقین رکھتے ہیں اس سے جہاں متقین کے آخرت پر یقین رکھنے کا اثبات ہے وہاں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے آخرت پر یقین رکھنے کے دعوے کی نفی بھی مقصود ہے۔ چنانچہ روح المعانی میں ہے" في بناء يوقنون على «هم» إشارة إلى أن اعتقاد مقابليهم في الآخرة جهل محض وتخييل فارغ وليسوا من اليقين في ظل ولا فيء"[9] یعنی اللہ تعالیٰ کا "یوقنون" سے پہلے لفظ "ھم" لانا حصر و تخصیص کے فائدہ کے لئے ہے کہ وہی مذکورین مسلمین متقین ہی آخرت (آخری گھر) پر یقین رکھتے ہیں اور جو ان کے مقابلے میں یہود و نصاریٰ ہیں وہ اگرچہ آخرت پر یقین رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں تاہم وہ صحیح نہیں ہیں۔ ان کا دعوئے یقین، جہل محض اور بے کار خیال ہے اُنہیں آخرت پر یقین کا سایہ بھی نصیب نہ ہوا یعنی اُنہیں اِس کی ہوا تک نہیں لگی۔

(5) " إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ" اِس آیت کا ترجمہ ایک صاحب یوں لکھتے ہیں: "جو لوگ کافر ہیں انہیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو وہ ایمان نہیں لائیں گے" دوسرے صاحب یوں دیکھتے ہیں "اور وہ جو منکر ہوئے برابر ہے تو ان کو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ نہ مانے گے" تیسرے صاحب یوں لکھتے ہیں" جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے یکساں ہے ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں"۔ ایک صاحب یوں لکھتے ہیں" بے شک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے ان کو تم ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہیں لائیں گے"۔ ایک صاحب یوں لکھتے ہیں" جن لوگوں نے (ان باتوں کو تسلیم کرنے سے) انکار کر دیا ان کے لیے یکساں ہے خواہ تم اُنہیں خبر دار کرو یا نہ کرو بہر حال وہ ماننے والے نہیں ہیں"

9۔ الآلوسی، شہاب الدین محمود بن عبد اللہ الحسینی الآلوسي، روح المعاني، پبلشر: دار الکتب العربیۃ، بیروت، الطبعۃ الأولیٰ: 1415ھ، 125/1

Al-Alūsī, Shihāb al-Dīn, Mahmūd b. ʿAbd Allah, Al-Husaynī, Rūh al-M¢¥nï, Beruit: D¥r al-al-kubub al-arabiyyh.1415 AH. 1/125

ان تمام حضرات کے تراجم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت عام کافروں کے بارے میں ہے کہ وہ اب ایمان نہیں لائیں گے۔اس آیت کے نزول کے بعد بے شمار کفار اسلام لائے اور قیامت تک لاتے رہیں گے پھر اللہ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہوا کہ کافر ایمان نہیں لائیں گے ؟اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت تمام کافروں کے بارے میں نہیں ہے بلکہ یہ خاص ان کافروں کے بارے میں ہیں جن کی قسمت میں کفر لکھا تھا وہ راسخ ہو چکے تھے جو کفر پر ڈٹے ہوئے اور ضدی بنے ہوئے تھے۔

لہذا ترجمہ میں ایسے لفظ کا اضافہ ضروری تھا جس سے ترجمہ پڑھنے والے پر واضح ہو جائے کہ یہاں اللہ تعالی کی مراد سے کون کافر ہیں کیونکہ صحیح مترجم وہ ہوتے ہیں جو متکلم کی مراد کو دوسروں تک پہنچائیں ایسے لفظ کا اضافہ ضروری تھا۔ایسے ترجمہ کا کیا فائدہ جو پڑھنے والے یا سننے والے کو مطمئن ہی نہ کرے۔

جیسا کہ تفسیر روح المعانی، تفسیر قرطبّی اور تفسیر نسفی میں ہے کہ "اس سے مراد خاص وہ کافر لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ جانتا تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے جیسے ابو جہل،ابو لہب اور ان جیسے دوسرے ضدی کافر لہذا اس کا صحیح ترجمہ یہ ہو گا "بے شک وہ لوگ جو کفر پر ڈٹ گئے یا کفر پر اڑ گئے تمہارا اُنہیں ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے حق میں برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے "۔یعنی ان کی قسمت میں کفر ہے یا جو کفر پر راسخ ہو گئے۔ لہذا مفتی ڈاکٹر غلام سرور قادری کا ترجمہ " بے شک وہ لوگ جو کفر پر اڑ گئے اُن کے لئے برابر ہے تمہارا اُنہیں ڈرانا یا اُنہیں نہ ڈرانا وہ ایمان نہیں لائیں گے "عمدہ اور متقدمین کے تراجم کے مطابق ہے۔

(6)بعض مترجمین نے "فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ"[10] کا ترجمہ یوں فرمایا ہے "ان کے دلوں میں بیماری تھی "اور بعض نے یوں کیا "ان کے دلوں میں روگ تھا" یا " تھی" یا" تھا" عربی گرامر کی رو سے غلط ہے کیونکہ اس میں تھی، یا تھا کا اضافہ کرنا منافقین کے نفاق کے مرض یا روگ کو ماضی کا واقعہ بنانا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت سے پہلے ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری تھی لیکن یہ نزول کے وقت نہ تھی۔ جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ نزولِ آیت کے وقت بھی ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری موجود تھی جس کا اس آیت میں اظہار کیا جا رہا ہے۔ لہذا اس کا صحیح ترجمہ یوں ہو گا "ان کے دلوں میں بیماری ہے یا روگ ہے"۔ جیسے "في الدار رجل" کا صحیح معنی یوں ہو گا "گھر میں ایک مرد ہے "اِس کا معنی یوں کرنا کہ "گھر میں ایک مرد تھا" گرامر کی رُو سے صحیح نہ ہو گا بلکہ غلط ہو گا۔

10البقرۃ،10:2

Al-baqarah, 2/10

(7)سورۃ البقرہ کی آیت "وَإِنْ كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ "[11]میں "مثلہ" کی ضمیر کا مرجع مفسرین نے دو بیان کئے ہیں۔(1)اس کا مرجع "مما نزلنا" ہے اِس صورت میں ترجمہ یوں ہو گا کہ اِس کی ایک ایسی صورت بنالاؤ کہ جو بلاغت اور حسنِ نظم میں قرآن کے مماثل ہو۔(2)اس کا مرجع پیچھے مذکور لفظ "عبد" ہو تو اِس صورت میں ترجمہ یوں ہو گا کہ "اِس کی کسی سورت جیسی سورت ایسے بندے سے بنالاؤ جو ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی طرح اُمی ہو کہ نہ اُس نے کسی بشر سے پڑھنا سیکھا ہو اور نہ لکھنا سیکھا ہو "[12]۔اِن دو مراجع کا لحاظ رکھتے ہوئے عمدۃ البیان میں راقم نے جو قوسین لگائی ہیں اِن کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"اور اگر اِس (کلام) سے (متعلق جو ہم نے اپنے (خاص) بندے (محمد ﷺ) پر اُتارا کچھ شک میں ہو تو اِس جیسے (کلام یا اِس جیسے بندے) سے ایک سورت تو لے آؤ۔۔۔الخ"

(8)"وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ"[13] کا معنیٰ بعض مترجمین یوں لکھتے ہیں:"ان کے لئے جنت میں پاکیزہ بیویاں (بھی) ہوں گی"۔

اس میں گرامر کے لحاظ سے دو غلطیاں ہیں۔ایک تو "فیھا" میں "ھا" ضمیر کا مرجع "جنت" کو ٹھہرایا، حالانکہ "جنت" نہیں "جنتیں" ہے جو جمع ہے۔جس کا پیچھے ذکر ہوا۔لہذا معنیٰ "جنتوں یا بہشتوں" کرنا چاہئے تھا۔ دوسرا "ہوں گی" کی بجائے "ہیں" کرنا چاہیے۔کیونکہ وہ بیویاں اب بھی موجود ہیں جیسا کہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ نے فرمایا:"کہ "لھم" میں لام تملیک کی ہے گویا مومنین دنیا میں رہتے ہوئے بھی ان کے خاوند ہیں اور اب بھی وہ مؤمنین کی بیویاں ہیں اگرچہ مومنین کا ان سے ازدواجی تعلق جنت میں داخل ہونے کے بعد ہو گا[14]۔

11.البقرۃ،23:2

Al-baqarah,2/23

12 .البيضاوي، ناصر الدين عبد الله بن عمر، أنوار التنزيل وأسرار التأويل، محقق: محمد عبد الرحمن المرعشلي، الناشر: دار احياء التراث العربي–بيروت،الطبعة الأولى:-1418ھ،(17/1)

Al-Baydh¥vÏ, N¥sir al-DÏn Abd Allah b. ¢Umar, Anw¥r al-tanzÏl wa- Asr¥r al-ta'wīl, Beruit: Dār al-Ihy¥ al-Tur¥th al-¢ArabÏ, 1418.AH. 1/17

13البقرۃ،۲:۲۵

Al-baqarah, 2/25

14 رازی،أبوعبد الله محمد بن عمر بن الحسين الرزي،التفسير الكبير،پبلشر: دار احياء التراث العربي، بيروت،الطبعة الثانية: 1420ھ.26/1

(9)" إِنَّ اللَّهَ لا يَسْتَحْيِي "[15] بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ یوں کیا "اللہ نہیں شرماتا"، یہ ترجمہ شان الٰہی کے خلاف ہیں اس لئے جو شرمانے کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے مفسرین نے اس کے یہ ظاہری معنی مراد نہیں لئے کیونکہ شرمانا بندوں کے اوصاف میں سے ہے۔ لہذا اللہ تعالی کے لیے استعمال ہونے والے اس لفظ کے معنی کی تاویل ضروری ہے وہ یہ کہ یہاں احیاء، ترک کے معنی میں ہے وہ اس طرح کہ جو شخص جس چیز سے شرماتا ہے وہ اسکو ترک کردیتا ہے تو گویا حیاء کو ترک لازم ہے اور حیاء ملزوم، گویا ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے۔ لہذا "لا یستحیی" کا معنی مفسرین نے تاویل کرتے ہوئے "لا یترک" سے کیا ہے یعنی اللہ مثال بیان کرنے کو نہیں چھوڑتا۔ جبکہ استحیاء کی اصل کسی چیز سے گھٹن محسوس کرتے ہوئے اِسے باز آنا اور یہ اللہ تعالٰی کے لئے محال ہے۔ لہذا اِس کا معنٰی "نہیں شرماتا" درست نہیں ہے۔ اِسی نکتہ کو سامنے رکھتے ہوئے مفتی ڈاکٹر غلام سرور قادریؒ نے کیا خوبصورت محبت بھرا ترجمہ فرمایا: "بے شک اللہ تعالی (سمجھانے کے لئے) مثال بیان کرنے سے گریز نہیں کرتا"۔

(10)" بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ "[16] بعض مترجمین نے اِس کا ترجمہ یوں کیا ہے "تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے" اور بعض نے یوں بھی ترجمہ کیا کہ "تم ایک دوسرے کے دشمن ہو" اور بعض نے یوں کیا "تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے"، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جنت سے اترنے والے حضرت آدم اور حضرت حوا ان کی اولاد سب ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے (معاذ اللہ) سب تراجم عربی گرامر کے خلاف اور غلط ہیں۔ اِس کا صحیح اور دُرست ترجمہ یوں ہوگا کہ صاحبِ عمدۃ البیان نے کیا "تمہارے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے" کیونکہ یہاں "بعض" کا "بعض" سے تقابل ہے جس کا معنٰی یوں ہوگا کہ "تم میں سے بعض، بعض کا دشمن ہے" یا "تمہارے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے یا تم میں کچھ، کچھ کے دشمن ہیں یا ہوں گے۔

Rāzī, ʿAbū ʿAbd Allah b. ʿUmar b. al-Husayn, al-tafsÏr al-kabÏr, Beruit: D¥r Ihy¥ al-tur¥th al-¢arabÏ.1420 A.H.1/26

15.البقرۃ،26:2

Al-Quran, 2/26

16۔البقرۃ،36:2

Ibid, 2/36

(11)آیت : "ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ"[17] میں ذرا غور کریں کہ اِس آیتِ کریمہ میں "يُحْيِيكُمْ" سے مراد کیا؟ کب اور کس وقت زندہ کرنا ہے؟ اِس میں دو آراء ہیں(1)اِس سے مراد قبر میں زندہ کرنا ہے۔(2)آخرت میں زندہ کیا جانا ہے۔

علامہ فخر الدین رازیؒ[18] نے فرمایا: "کہ اِس سے مراد قبر میں زندہ کرنا ہے کیونکہ آگے جو لفظ "ثم" آیا ہے جو کہ تراخی کے لئے ہے جس کا معنی کچھ دیر بعد کا ہے۔ لہذا اِس سے مراد آخرت کے دن لوٹایا جانا ہے۔[امام رازی کی اِس تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ قبور زندہ ہیں اس لئے یہی قابل ترجیح بات ہے]۔ چنانچہ مفتی ڈاکٹر غلام سرور قادریؒ نے جو بریکٹ لگا کر مفہوم واضح کر دیا ہے وہ بہت خوب ہے ترجمہ یہ ہے: "پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں (قبر میں سوال وجواب کے لئے) زندہ کرے گا۔ پھر تم (روزِ قیامت) اُس کی طرف لوٹائے جاؤ گے"۔

(12)سورۃ البقرۃ " فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ"[19] اِس آیتِ کریمہ میں اکثر مترجمین نے ترجمہ یوں کیا ہے "تو شیطان نے اِن دونوں کو پھسلا دیا اور وہ دونوں جہاں تھے اُنہیں وہاں سے نکالا، اِس آیتِ کریمہ میں "فَاَخرَجَ" میں جو ضمیر فاعل "ھو" مستتر ہے وہ شیطان کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی شیطان نے نکالا حالانکہ شیطان نے تو نہیں نکالا تھا بلکہ اللہ تعالی نے ہی نکالا تھا۔ شیطان نے تو دھوکا دیا تھا۔ دراصل قرآن پاک میں کئی

17.البقرۃ28:2

Al-Quran, 2/28

18. محدث، فقیہ، فلسفی۔ پورا نام علامہ فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن عمر بن الحسینی تھا۔ رے ایران میں پیدا ہوئے۔ جہاں آپ کے والد ضیاءالدین عمر خطیب تھے۔ اس لیے آپ ابن الخطیب بھی کہلاتے ہیں۔ شافعی اور اشعری عقیدہ رکھتے تھے۔ خوارزم میں معتزلہ عقائد کے خلاف تبلیغ کے لیے گئے لیکن وہاں سے بخارا اور سمرقند جانے پر مجبور ہوئے۔ 1190ء میں غزنی اور پنجاب کا دورہ کیا۔ پھر ہرات میں مستقل سکونت اختیار کی اور ایک مدرسے میں شیخ الاسلام کی حیثیت سے تدریس میں مصروف ہوگئے۔ سلطان علاءالدین محمد خوارزم شاہ آپ کا سرپرست تھا۔ حاسدوں نے آپ کو زہر دے دیا جس سے جانبر نہ ہوسکے۔ آپ نے علوم دین فلسفیانہ پیرائے میں پیش کیے۔ ابن سینا اور فارابی کے معترف اور امام غزالی کے خلاف تھے۔ علم الکلام میں مشہور تصنیف اساس التقدیس ہے۔ دوسری متداول تصنیف کا نام مفاتیح الغیب ہے جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے۔ مفتی محمد خان قادری نے فضلِ قدیر کے عنوان سے اس تفسیر کا مکمل اردو ترجمہ کردیا ہے.

19.البقرۃ،36:2

Al-Quran, 2/36

مقامات پر یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ فعل کی نسبت فاعل کی بجائے سبب کی طرف ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام سے فرمایا کہ: " إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا "[20] تاکہ میں تجھے ستھرا بیٹا دوں۔ ظاہر ہے کہ در حقیقت بیٹا دینا تو اللہ کا کام ہے وہ ہی فاعلِ حقیقی ہے مگر چونکہ حضرت جبریل علیہ السلام ذریعہ وسبب بنے اِس لئے اُنہوں نے بجائے یہ فرمانے کہ "تاکہ تجھے اللہ بیٹا دے" فرمایا: "میں تجھے بیٹا دوں"۔

یہ نظریہ قرآن کے مطابق ہے کہ انبیاء واولیاء کی طرف کرتے ہیں اور یہ قرآن کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ مفتی ڈاکٹر غلام سرور قادریؒ نے بھی اِسی اسلوب و قاعدہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو ترجمہ کیا ہے اور قوسین لگائی ہیں۔ ذیل میں وہ ترجمہ ذکر کیا جارہا ہے۔

"تو شیطان نے اُن دونوں کو جنت سے پھسلایا اور وہ دونوں جہاں تھے اُنہیں وہاں سے نکالا (کہ اُن کے نکلنے کا وہ سبب بنا)"

(13) سورۃ البقرہ "وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ...الخ"[21] میں مترجمین حضرات نے یہاں ترجمہ یوں کیا ہے کہ "اور اُس دن سے ڈرو جس میں کوئی جان کسی دوسری جان کی طرف سے کچھ بدلہ نہ ادا کرسکے گی۔ عربی گرائمر کی رو سے یہ ترجمہ غلط ہے کیونکہ قاعدہ ہے نکرہ کے بعد نکرہ مکرر ہو تو دوسرا نکرہ پہلے کا غیر ہوتا ہے۔ لہذا عمدۃ البیان میں کیا گیا ترجمہ یہ ہے: "اور تم اُس دن (کے عذاب) سے ڈرو جس میں کوئی (مؤمن) جان کسی دوسری (کافر) جان کی طرف سے کچھ بدلہ ادا نہ کرسکے گی اور نہ (اُس کے حق میں) اُس کی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اُس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ (اُن کافروں) کی مدد کی جائے گی۔

مفتی ڈاکٹر غلام سرور قادریؒ نے یہاں پر پہلے نفس سے مراد مؤمن اور دوسرے نفس سے مراد اُس کا غیر یعنی کافر نفس لیا ہے۔ یہاں سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوئی کہ کوئی مؤمن کسی کافر کے کام نہیں آئے گا۔ اور باقی یہ مسئلہ رہا کہ کیا کوئی مؤمن کسی مؤمن کے کام آئے گا تو اِس آیت میں اِس کی نفی ثابت نہیں ہوتی بلکہ کافر سے

---

20. مریم، 19:19

Al-Quran, 19/19

21. البقرۃ، 2:48

Al-Quran, 2/48

شفاعت کی نفی اور مؤمن کے حق میں اِس کے ثبوت کی طرف اشارہ ہے کہ مؤمن، مؤمن کی شفاعت کرے گا اور اُسکو فائدہ بھی پہنچائے گا۔اور عمدۃالبیان کا اشارہ بھی اِسی کی طرف ہے۔

(14)قرآنی آیت "فَصَبْرٌ جَمِيلٌ "[22] کا بعض مترجمین نے یہ ترجمہ کیا ہے "اب تو صبر ہی اچھا ہے" اور ایک بزرگ نے یہ ترجمہ کیا ہے "تو صبر اچھا ہے" یہ ترجمہ عربی گرائمر کی رُو سے درست نہیں ہیں۔اِس لئے کہ صبر موصوف اور " جمیل "اِس کی صفت ہے موصوف صفت مل کر مرکب توصیفی غیر مقید ہے جو دراصل مبتداء محذوف کی خبر ہے یا خبر محذوف کے لئے مبتداء ہے پہلی صورت میں تقدیری عبارت یوں ہو گی "فَأَمْرِي صَبْرٌ جَمِيلٌ " کہ میرا کام اچھا صبر ہے اور یہی مفتی ڈاکٹر غلام سرور قادریؒ نے عمدۃ البیان میں کیا ہے۔دوسری صورت میں عبارت یوں ہو گی "فصبر جمیل اجمل "کہ اچھا صبر ہی سب سے خوبصورت چیز ہے۔

(15)سورۃ یوسف کی آیت "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ "[23] کا مختلف مترجمین نے اپنے اپنے انداز میں اِس کا ترجمہ کیا ہے۔ذیل میں چند مترجمین کا ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے۔

(i)ایک مترجم نے یوں کیا: "اور البتہ عورت (زلیخا) نے فکر کی اِس (یوسف) کی اور اُس (یوسف) کا اور اُس (یوسف) نے فکر کیا عورت کا اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی۔

(ii)ایک صاحب یوں فرماتے ہیں: "البتہ عورت نے فکر کی اُس کی اور اُس نے فکر کی عورت کی اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھی قدرت اپنے رب کی"۔

(iii)ایک صاحب نے یوں کہا: " وہ اُس کی طرف بڑھی اور یوسف بھی اُس کی طرف بڑھتا اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتا۔

(iv)ایک نے کہا: "اور اُس عورت نے تو قصد کر لیا تھا اُن کا اور وہ بھی قصد کرتے اُس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی (روشن) دلیل"۔

---

22. یوسف،12:18

Al-Quran, 12/18

23.یوسف،12:24

Al-Quran, 12/24

(v)ایک مترجم نے یوں لکھا" اور اُس عورت کے دل میں تو اُن کا خیال (عزم کے درجہ میں) جم رہا تھا اور اُن کو بھی اُس عورت کا کچھ خیال ہو چلا تھا اگر اپنے رب کی دلیل کو اُنہوں نے نہ دیکھا ہوتا (تو زیادہ ہو جانا عجب نہ تھا)

(vi)ایک مترجم نے لکھا: "اور بے شک (زلیخا) نے (تو) اُن کا ارادہ کر ہی لیا تھا (شاید) وہ بھی اِس کا قصد کر لیتے اگر اُنہوں نے اپنے رب کی روشن دلیل کو نہ دیکھا ہوتا"۔

یہاں ترجمہ کرتے ہوئے اِن سب حضرات نے" وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا" کو "لولا" کا جواب مقدم قرار دیا ہے حالانکہ عربی گرائمر کی رُو سے یہ "لولا" کا جواب اِس کے بعد محذوف ہے چنانچہ تفسیرِ نسفی میں ہے:

" وجواب "لَوْلا أَن رَّأَى بُرْهَانَ رَبِّه" محذوف أي لكان ماكان"[24] یعنی "لولا" کا جواب اِس کے بعد محذوف ہے یعنی "وہ ہوتا جو ہوتا" پھر فرماتے ہیں کہ بعض نے کہا کہ "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا" اِس کا جواب مقدم ہے اور یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ "لولا" کا جواب اِس سے پہلے نہیں ہوتا کیونکہ لولا شرط کے حکم میں ہے اور وہ کلام کے شروع میں ہوتا ہے یعنی "لولا" کا جواب محذوف یہ ہے "لکان ما کان" یعنی وہ ہوتا جو ہوتا۔

اِنہیں باتوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مفتی ڈاکٹر غلام سرور قادریؒ نے یوں ترجمہ کیا "اور بے شک اُس عورت نے یوسف (سے بُرائی) کا ارادہ کیا اور یوسف نے اُس عورت (کی اُس کی خواہش کے برعکس دور رکھنے) کا ارادہ کر لیا۔ اگر وہ اپنے رب کی دلیل (شانِ معصومیت) نہ دیکھتے (تو وہ کچھ ہوتا جو ہوتا)۔

(16) سورۃ النور کی آیت" اللهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ...الخ"[25] کا عام طور پر جو ترجمہ کیا جاتا ہے وہ یہ ہے "اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے" جبکہ مفتی ڈاکٹر غلام سرور قادریؒ نے اِس مقام پر جو ترجمہ کیا ہے وہ کسی اور نے نہیں کیا۔ آپ نے نُور کو مُنَوِّر کے معنی میں لیا ہے اور ترجمہ کرتے ہوئے جو لکھا ہے ملاحظہ ہو "اللہ آسمانوں کو (چاند، سورج، ستاروں اور فرشتوں کے) اور زمین کو (انبیاء و علماء کے نور سے) روشن کرنے والا ہے"۔

---

24. النسفي، أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود حافظ الدين النسفي، مدارك التنزيل وحقائق التأويل، (103/2).
Al-Nasafī, ¢Abd Allah b. Ahmad b. Mas¢ood, Madarik al-Tanzīl wa Haqaiq al, ta'wīl, Beruit: Dār al-al-kalim al-tayyib, 1998. (103/2).

25. النور، 35:24
Al-Quran, 24/35

(17)سورۃِ لقمان آخری آیت "إن الله عليم خبير"[26] کا تمام مترجمین نے ترجمہ کیا ہے: "بے شک اللہ تعالی جاننے والا خبر رکھنے والا ہے" جبکہ خبر رکھنا بھی جاننا ہی ہے۔اِسی لئے تفسیراتِ احمدیہ میں ہے کہ خبیر بمعنی مخبر کے ہے یعنی خبر دینے والا" بے شک اللہ بڑے علم والا ہے (وہ اپنے نبی ﷺ کو پھر اُن کے وسیلے سے جِسے چاہیے اُسے اِن باتوں کی) خبر دینے والا ہے۔

(18)سورہِ الم نشرح کی آیات "فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا، إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا"[27] کا کچھ دیگر مترجمین نے یوں ترجمہ کیا ہے:۔ "تو بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے"، جبکہ یہ ترجمہ عربی گرائمر سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ قاعدہ ہے کہ معرفہ کے ساتھ معرفہ مکرر ہو تو دوسرا پہلے کا عین ہوتا ہے اور نکرہ کے ساتھ نکرہ مکرر ہو تو دوسرا پہلے کا غیر ہوتا ہے۔اِسی لئے صاحبِ عمدۃ البیان نے اِن آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:۔ تو بے شک مشکل کے ساتھ (ہی بڑی) آسانی ہے، بے شک اِسی مشکل کے ساتھ (ہی) ایک اور بڑی آسانی ہے"، یعنی مشکل ایک ہے جیسا کہ "اسی" لفظ سے واضح کیا گیا ہے اور آسانیاں دو ہیں۔

خلاصہِ بحث:

- حضرت ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادریؒ کے ترجمہِ قرآن کے بہت سارے محاسن یعنی عمدہ اُسلوب ہیں۔ عمدہ اُسلوب سے مراد ضرورت کے مطابق کسی بھی عجمی زبان میں قرآنِ مجید کا ترجمہ کرنا ہو تو وقت کی نزاکت کو پیشِ نظر رکھنا ہوتا ہے۔ اوراِس کا مقصد عوام الناس کی اصلاح کرنا ہوتا ہے۔
- ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادریؒ کے ترجمہِ قرآن بنام ''عمدۃ البیان فی ترجمۃ القرآن'' میں درج بالا چند مثالوں سے دیگر مشہور و معتبر تراجم سے جو تقابل کرایا گیا ہے اِس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صاحبِ عمدۃ البیان کو قرآن کی اِسی زاویہ سے خدمت کے لئے چُنا، کہ تم قرآن کی پوری لمبی تفسیر کرنے کی بجائے تم اُسکا تفسیری ترجمہ کرو، جو بڑی بڑی تفاسیر سے بے نیاز کر دے۔

---

26. لقمان، 34:31

Al-Quran, 31/34

27. الم نشرح، 94:5-6

Al-Quran, 94/5-6

- مفتی صاحبؒ نے اپنے ترجمہِ قرآن میں محذوف عبارت نکال کر بریکٹ میں ترجمہ کر کے اُنہیں ذکر کیا، پھر عربی قواعد اور اُردو گرائمر کو ملحوظِ خاطر رکھا،اِسکے ساتھ ساتھ آسان اور سلیس الفاظ کا انتخاب کر کے اِسکے ساتھ اسلافِ مفسرین کے انداز کو اپنایا ہے۔
- مفتی صاحبؒ نے ترجمہِ قرآن کرتے ہوئے نہ صرف عربی گرائمر کو مدِ نظر رکھا بلکہ احترامِ خداوندی کو بھی ملحوظِ خاطر لائے جیسا کہ تسمیہ کا ترجمہ کرتے ہوئے اُنہوں نے بیان کیا اور اِسکا مکمل وضاحت آرٹیکل میں بیان ہوئی۔
- مفتی صاحبؒ نے اپنے ترجمہِ قرآن میں نحو کے قوانین کو بھی مدِ نظر رکھا جو دیگر تراجم میں بہت کم ہے، جیسا کہ فی قلوبھم مرض کے بحث میں واضح ہوا کہ موصوف نے ''فی الدار رجل'' کی مُناسبت سے مذکورہ آیت کا ترجمہ کیا۔
- جہاں پر ترجمہ عمدۃ البیان میں بہت سارے محاسن پائے جاتے ہیں وہیں پر اس میں کچھ نقص بھی ہیں جو مفتی صاحب سے رہ گئے ہیں، یقینی بات ہے وہ بھی ایک انسان تھے جیسا کہ آرٹیکل میں موجود سورۃ التوبہ کی آیت نمبر2"**واعْلَموا أَ نّكُمْ غيْرُ معْجزي الله وَأَنَّ اللهَ مُخْزِي الْكَافرِينَ**"کے ترجمہ سے واضح ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کے ترجمہ کی بنسبت دیگر تراجم عُمدہ اور بہترین ہیں۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.